مولانا محمد اسحاق بھٹی۔ لاہور

سعودی حکومت۔۔۔ تاریخ کے آئینہ میں

موجودہ سعودی حکومت کی سو سالہ تقریبات منائی جا رہی ہیں۔ اس لئے کہ قمری حساب سے اس کے قیام پر سو سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر اس کی تاریخ کے چند اہم پہلوؤں کی وضاحت کر دی جائے۔

اس خاندان کا آغاز پندرھویں صدی عیسوی کے وسط سے ہوتا ہے۔ اس کے سب سے بڑے رکن کا نام سعود تھا۔ جس کی طرف یہ خاندان منسوب ہے۔ عربی تاریخ کی کتابوں میں اس کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ سعود بن محمد بن مقرن بن مرخان بن ابراہیم بن موسیٰ بن ربیعہ بن نافع بن اسد بن ربیعہ بن نضار بن معاد بن عدنان۔

سعود بن محمد عرب کی جس قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اسے "عنیزہ" کہا جاتا تھا اور اس کا ایک قبیلہ "مصالیخ" تھا۔ سعود اس قبیلے کا سردار تھا اور وہ عرب کے مشرقی خطے میں "دہنا" کے اس پار رہتا تھا۔ اس کی شادی مجریمامہ یعنی ریاض کے امیر ابن درع کے خاندان میں ہوئی تھی۔ امیر ابن درع اور سعود آپس میں گہرے دوست تھے۔ ۱۴۴۶ء میں مجریمامہ کے امیر نے سعود بن محمد کو اپنے یہاں آنے اور مستقل طور پر قیام پذیر ہونے کی دعوت دی۔ وہ آیا تو درعیہ کے قریب اسے کچھ زمین عطا کی گئی' اس علاقے کو "تعیبہ" کہا جاتا تھا۔ سعود بن محمد کا خاندان وہاں آباد ہو گیا اور ان لوگوں نے وہاں اچھی خاصی عمارتیں بنالیں۔

خاندان کا سلسلہ نسل آگے بڑھا تو ان میں ایک شخص محمد بن سعود پیدا ہوا۔ جس نے عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو اس علاقے کی زمام امارت اپنے ہاتھ میں لی۔ جو اس نواح میں "امارۃ السعود درعیہ" کے نام سے موسوم ہوئی۔ تاریخی اعتبار سے سعودی خاندان کے عہد امارت کو تین اہم ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

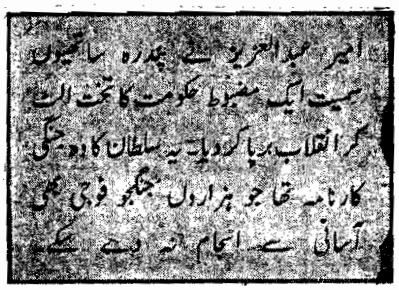

پہلا دور محمد بن سعود کے عہد سے شروع ہوتا ہے جو ۱۸۱۹ء تک چلتا ہے۔ اس دور میں اس خاندان کے یکے بعد دیگرے پانچ افراد برسر اقتدار آئے۔ پہلے محمد بن سعود جو ۱۷۲۶ء سے ۱۷۶۵ء تک منصب امارت پر فائز رہے۔ مشہور نجدی مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب کا تعلق اس خاندان سے انہی کے عہد میں قائم ہوا۔ ان کی وفات کے بعد دوسرے امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود ہوئے جو ۱۷۶۵ء سے ۱۸۰۳ء تک مسند امارت پر متمکن رہے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے سعود بن عبدالعزیز کا دور آیا جو ۱۸۰۳ء سے شروع ہو کر ۱۸۱۳ء میں ختم ہو گیا۔ پھر عبداللہ بن سعود نے زمام امارت ہاتھ میں لی۔ انہوں نے ۱۸۱۳ء سے ۱۸۱۷ء تک حکومت کی۔ بعد ازاں اقتدار کی باگ ڈور مصر کے محمد علی اور ابن معمر کے فوجی قبضے میں چلی گئی۔ فوجی قبضے کی مدت دو سال (۱۸۱۷ء سے ۱۸۱۹ء تک) بنتی ہے۔ پھر ۱۸۱۹ء میں مشاری بن سعود کا زمانہ امارت آیا جو صرف ایک سال پر مشتمل تھا۔ یہ تمام سعودی حکمران بڑے باہمت' نیک طینت' وسیع الظرف' لوگوں کے خیرخواہ اور فراخ حوصلہ اور کشادہ دست تھے۔

دوسرے دور کا آغاز امیر ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود کی امارت سے ہوتا ہے۔ اب اقتدار عبدالعزیز بن محمد کے بیٹوں کے قبضے سے نکل کر اس کے بھائی عبداللہ بن محمد بن سعود کی اولاد کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ یہ دور ۱۸۱۹ سے لے کر ۱۸۶۵ء تک چلتا ہے یعنی چھیالیس برس پر پھیلا ہوا ہے۔ اس اثناء میں سعودی خاندان کے چھ امیر برسراقتدار آئے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

ترکی بن عبداللہ نے ۱۸۱۹ء سے لے کر ۱۸۳۳ء تک حکومت کی۔ مشاری بن عبدالرحمان ۱۸۳۴ء میں صرف چالیس دن امیر رہا۔ فیصل بن ترکی (پہلی مرتبہ) ۱۸۳۴ء سے ۱۸۳۸ تک چال سال عہدہ امارت پر فائز رہے۔ خالد بن سعود کا دورہ امارت ۱۸۳۸ء سے ۱۸۴۱ء تک تین

سال پر مشتمل ہے۔ عبداللہ بن ثنیان ۱۸۴۱ء سے ۱۸۴۳ء تک دو سال اور فیصل بن ترکی (دوسری مرتبہ) ۱۸۴۳ء سے ۱۸۶۵ء تک بائیس برس منصب امارت پر متمکن رہے۔

اس کے بعد نہایت خلفشار اور ہنگاموں کا دور آیا جو ۱۹۰۲ء تک چلا۔ چند الفاظ میں اسے اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔ عبداللہ بن فیصل کی امارت (جو پہلی مرتبہ) ۱۸۶۵ء سے ۱۸۶۹ء تک چار سال' سعود بن عبدالعزیز ۱۸۶۹ء سے ۱۸۷۴ء تک پانچ سال' عبداللہ بن فیصل کی امارت (دوسری مرتبہ) ۱۸۷۴ء سے ۱۸۸۴ء تک دس سال۔ رشید خاندان کا عہد اقتدار ۱۸۸۴ء سے ۱۸۸۹ء تک پانچ سال۔ عبدالرحمان الفیصل ۱۸۸۹ء سے ۱۸۹۱ء تک دو سال۔ محمد بن فیصل ۱۸۹۱ء سے ۱۸۹۲ء تک ایک سال رہا۔ رشیدیوں کا قبضہ ۱۸۹۲ء سے ۱۹۰۲ تک دس سال رہا۔

> تمام سعودی حکمران بڑے باہمت' تیک طینت' وسیع الظرف' لوگوں کے خیر خواہ' فراخ حوصلہ اور کشادہ دست تھے

تیسرا دور تو یہ دور ۱۹۰۲ء سے جلالتہ الملک شاہ عبدالعزیز کے عہد امارت سے شروع ہوتا ہے۔ جسے موجودہ دور حکومت کا نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے۔ اب ان تینوں ادوار کے بارے میں اختصار کے ساتھ چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں لیکن اس سے پہلے شیخ محمد بن عبدالوہاب کا تذکرہ نہایت ضروری ہے جو نجد کی اصلاحی تحریک کے اولین رکن تھے اور انہوں نے اس علاقے کے بہت بڑے مصلح کی حیثیت سے شہرت پائی۔ ان کا تعلق سعودی امارت کے پہلے دور سے ہے۔ وہ ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوئے اور اپنے والد گرامی شیخ عبدالوہاب سے تعلیم حاصل کی جو اس علاقہ کے شہر "حریملہ" کے قاضی تھے اور اس نواح میں نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ عبدالوہاب نے ۱۷۴۰ء میں وفات پائی۔

ان کے بیٹے محمد بن عبدالوہاب نے بہ درجہ غایت گرمجوشی سے تبلیغ و اصلاح کا سلسلہ شروع کیا اور اس راہ میں بہت سی مشکلات سے دو چار ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے انہیں شدید تکلیفوں میں مبتلا کیا۔ لیکن وہ کسی تکلیف کی پرواہ کئے بغیر برابر آگے بڑھتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ بے شمار لوگ ان کے ساتھ ہو گئے اور ان کا حلقہ دعوت و اصلاح پورے علاقے میں پھیل گیا۔ اس وقت میں ان کے دائرہ اثر و رسوخ نے مزید وسعت اختیار کر لی جب ان کا رابطہ امیر محمد بن سعود سے قائم ہوا۔ امیر محمد بن سعود ۱۷۴۶ء میں درعیہ سے منصب امارت پر متمکن ہوا اور ۱۷۶۵ء تک اس نے حکومت کی۔ ۱۷۴۷ء میں اس نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ہاتھ پر بیعت کی اور دونوں کے درمیان یہ طے پایا کہ وہ احکام شریعت کی تبلیغ کریں گے۔ بدعات و رسوم' اوہام پرستی اور خلاف اسلام امور کے خاتمے کے لئے کوشاں ہوں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ چنانچہ دونوں اس عہد پر قائم رہے اور دونوں نے اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق بے پناہ خدمات انجام دیں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نے بانوے برس کی عمر پائی اور ۱۷۹۳ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

تھوڑے عرصے کے بعد حالات نے کچھ ایسی کروٹ لی کہ امیر محمد بن سعود نے اپنا پایہ تخت درعیہ کے بجائے ریاض کو قرار دے دیا۔ اب جیسے جیسے ان کا سیاسی اثر و رسوخ بڑھنے لگا۔ اسی نسبت سے مخالفت کے سلسلے میں بھی تیزی آ گئی۔ مکہ مکرمہ پر شریفی حکومت کا قبضہ تھا۔ انہوں نے امیر محمد بن سعود کو فریضہ حج ادا کرنے سے روک دیا۔ اس کے بعد ۱۷۶۵ء میں امیر موصوف وفات پا گئے۔

ان کے بعد ان کے بیٹے امیر عبدالعزیز مسند امارت پر فائز ہوئے۔ وہ نہایت بہادر' حوصلہ مند اور بے حد جری حاکم تھے۔ عوام میں ان کو بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ مختلف قبائل و قصبات میں وہ خود جاتے اور لوگوں کی غمی خوشی میں شریک ہوتے۔ انہوں نے فروغ تعلیم کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ بھی اپنے باپ کی طرح ان کے نہایت مخلصانہ تعلقات تھے۔ جہاد کا سلسلہ بھی انہوں نے باقاعدہ جاری رکھا اور ریاض کے علاوہ نجد کے متعدد اضلاع پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔ حجاز کا حکمران شریف غالب ان کی طاقت سے اس قدر مرعوب ہوا کہ اس نے ان کے ساتھ صلح بھی کر لی اور ان اور ان کے ساتھیوں کو بھی ازخود فریضہ حج ادا کرنے کی اجازت دے دی۔ ۱۸۰۳ء تک سعودیوں اور شریفیوں کی صلح رہی۔ اس کے بعد پھر جھگڑے شروع ہو گئے۔ اس اثناء امیر عبدالعزیز بن محمد نے طائف پر قبضہ کر لیا اور شریف غالب جدہ کی طرف بھاگ گیا۔ یہ واقعہ ۱۸۰۳ء کو پیش آیا۔

امیر عبدالعزیز بن محمد کے زمانہ امارت میں فتوحات کے دائرے نے بڑی وسعت اختیار کی۔ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ۱۷۹۹ء میں اس نے اپنے بیٹے سعود کی کمان میں عراق کی طرف جو فوجیں بھیجیں' وہ کربلا تک پہنچ گئی تھیں جو عراق کے عین وسط میں واقع ہے۔ پورا عراق اس وقت ان فوجوں کی زد میں تھا۔ ان دنوں امیر عبدالعزیز کی سلطنت مشرق میں بحیرہ عرب سے لے کر مغرب میں بحیرہ احمر تک اور جنوب میں عراقی سرحدوں سے لے کر بیشہ اور عسیر تک وسیع ہو گئی تھی۔ ان تمام علاقوں میں اتحاد کی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ چاروں طرف امن و امان کا شامیانہ تن گیا تھا اور اس پورے علاقے میں اسلامی احکام پر عمل ہونے لگا تھا لیکن آناً فاناً ہولناک حادثہ پیش آیا کہ ایک دن امیر عبدالعزیز

درعیہ کی مسجد طریف میں مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے ان کو قتل کر دیا۔ یہ حادثہ ۱۸۰۳ء میں پیش آیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ قاتل عراق کے ایک قصبے ''العمارہ'' کا رہنے والا تھا اور شیعہ مسلک کا حامل تھا۔ وہ راہب کے بھیس میں درعیہ آیا اور کچھ عرصہ وہاں رہا۔ موقعہ پاتے ہی امیر موصوف کے جسم میں زہر میں بجھا خنجر گھونپ دیا اور وہ اسی وقت وفات پا گئے۔ کہا جاتا ہے کہ قاتل کو ان پر غصہ یہ تھا کہ ان کی فوجوں نے کربلا کے بعض مشاہد کو منہدم کر دیا تھا۔

امیر عبدالعزیز کی وفات کے بعد مسند امارت ان کے بیٹے سعود کے سپرد ہوئی۔ یہ سعودی مملکت کے بانی کا پوتا تھا جو اپنے باپ کی طرح نہایت عاقل و فہیم، دور اندیش، صاحب جودت و سخااور جرات مند حکمران تھا۔ صالحیت اور صلاحیت دونوں اوصاف اس میں پائے جاتے تھے۔ اس نے نو حج کئے اور ہر سال حج کے موقع پر کعبۃ اللہ پر چڑھانے کے لئے سرخ مخمل کا غلاف اپنے ساتھ لے کر جاتا تھا۔ وہ اپنے علاقے میں تعلیم عام کرنے کا انتہائی خواہش مند تھا۔ چنانچہ اس خواہش کی تکمیل کے لئے مختلف مقامات پر اس نے بہت سے معلم بھیجے۔ جنہوں نے تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

یہ زمانہ ترکی میں عثمانی حکومت کا تھا۔ سعودی مملکت کی وسعت سے ترکی کی عثمانی حکومت بھی برافروختہ ہوئی۔ اس نے ۱۷۹۸ء میں اپنی فوجیں سعودی فوجوں سے لڑائی کے لئے ''احسا'' کی طرف روانہ کر دیں۔ جہاں سعودی فوجیں مقیم تھیں۔ ادھر شریف غالب بھی سعودی افواج سے جنگ کے لئے چل پڑا۔ مصر کا حکمران محمد علی بھی نجد پر حملے کے لئے کمربستہ ہو گیا اور اس نے ۱۸۱۱ء میں اپنے بیٹے طوسون کی کمان میں نجد کی طرف فوجیں بھیج دیں جو بحیرہ احمر کے کنارے ینبع پر قابض ہو گئیں۔ ادھر نجدی لشکر نے شہزادہ عبداللہ بن سعود کی کمان میں مصری فوجوں پر حملہ کر دیا اور انہیں شکست دی۔ مصری فوج کا ایک حصہ واپس مصر چلا گیا۔

> **۱۹۲۰ء میں امیر عبداللہ اور انکی حکومت کے وزیر خزانہ اور سیکرٹری کو میدان باصوفیہ میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا**

محمد علی نے اس سے اگلے سال ۱۸۱۲ء میں سعودیوں کے خلاف دوبارہ بہت بڑی مہم روانہ کی۔ جس نے شدید جنگ کے بعد مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ۱۸۱۳ میں جدہ اور مکہ معظمہ پر بھی مصری فوجیں قابض ہو گئیں۔ اسی سال امیر سعود نے وفات پائی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ نے حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لی۔ وہ ۱۸۱۴ء سے ۱۸۱۷ء تک برسراقتدار رہا۔ یہ بھی اپنے بزرگوں کی طرح بلند حوصلہ اور جرات مند امیر تھا۔ لیکن مخالفین کی یلغار اتنی سخت تھی اور ان کے حملوں کا سلسلہ اتنا تیز تھا کہ بدقسمتی سے ان کے مقابلے میں شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ ۱۸۱۵ء میں مصر کے محمد علی کا بیٹا طوسون بہت بڑی فوج کے ساتھ امیر عبداللہ کے علاقے پر حملہ آور ہوا اور مارچ کے مہینے میں جب وہ داخل ہو کر اس نے الواس پر قبضہ کر لیا لیکن وہاں کے مقام پر اس کے اور عبداللہ کے درمیان صلح ہو گئی مگر یہ صلح عارضی ثابت ہوئی۔ ۱۸۱۶ء میں محمد علی کے دوسرے بیٹے ابراہیم نے مصری فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لی اور عبداللہ سے جنگ شروع کر دی۔ ایک سال کی مسلسل اور خوں ریز جنگ کے بعد وہ درعیہ پہنچ گیا اور ۱۸۱۸ء میں نجد کے دارالحکومت ریاض میں داخل ہو گیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ ابراہیم نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ اس نے امیر عبداللہ بن سعود اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خاندان کے بہت سے افراد کو گرفتار کرکے قاہرہ بھیج دیا۔ جن میں خود امیر عبداللہ بھی شامل تھے۔ پھر ۱۸۲۰ء میں امیر عبداللہ، ان کی حکومت کے وزیر خزانہ اور سیکرٹری کو میدان باصوفیہ میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اس سے ایک سال قبل ۱۸۱۹ء میں امیر عبداللہ کے بھائی مشاری نے درعیہ پر قبضہ کرکے اپنی حکومت قائم کر لی تھی اسے بھی گرفتار کر لیا گیا۔

اسی زمانے میں عبداللہ کا ایک بیٹا جس کا نام ''ترکی'' تھا۔ ریاض آیا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا لیکن محمد علی پاشا کی فوج نے اس کو بھی وہاں سے نکال دیا۔ ۱۸۲۲ء میں ترکی پھر میدان میں اترا اور محمد علی کی فوجوں پر حملہ کرکے انہیں شدید پریشانی میں ڈال دیا اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اس نے کچھ عرصہ حکومت کی۔ اس کے بعد اسے اسی خاندان کے ایک امیر نے قتل کر دیا اور اقتدار پر قابض ہو گیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد ترکی کے بیٹے فیصل نے دوبارہ آبائی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ یہی وہ فیصل ہے جس سے خاندان سعود کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور کی بہت سی تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ جن کے یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اتنا بتا دینا کافی ہو گا کہ یہ امیر فیصل جس سے سعودی حکومت کی حکمرانی کے دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے یہ دور بہت مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف اس کے بیرونی مخالف تھے اور وہ تھے مصر اور ترکی کے حکمران اور اس کے ساتھ ہی حجاز کی شریفی حکومت۔ دوسری طرف خود اس کے خاندان کے لوگ اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے۔ فیصل نہایت احتیاط اور انتہائی عقل مندی کے ساتھ ان سب کا مقابلہ کر رہا تھا۔

یہ مسلسل پانچ سال سوئز میں نظر بند رہا۔ آخر حالات سے مجبور ہو کر اسے مصریوں اور ترکوں سے تعلقات قائم کرنا پڑے۔ ۱۸۶۶ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے انتقال کے ساتھ ہی

اس کے بیٹوں کے درمیان جھگڑے شروع ہو گئے۔ پہلے سعود' امیر بنا پھر اس کے بھائی عبداللہ نے مسند امارت سنبھالی۔ بعد ازاں عبدالرحمان اس منصب پر فائز ہوا لیکن امیر عبدالرحمان بھی اطمینان سے حکومت نہ کر سکا۔ آخر ۱۸۸۸ء میں اسے اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر کویت میں پناہ لینا پڑی۔ امیر عبدالرحمان سعودی حکومت کے موجودہ شاہ فہد کے دادا اوران کے والد سلطان عبدالعزیز (ابن سعود) کے والد محترم تھے۔ امیر عبدالرحمان کے کویت جانے کے بعد ان کے بھائی عبداللہ کو امیر مقرر کیا گیا لیکن وہ برائے نام امیر تھا اصل اختیارات امیر ابن رشید (یا شریفی خاندان) کے ہاتھ میں تھے۔

سعودی خاندان کی تاریخ مسلسل جدوجہد اور تائید حق و صداقت کی بہادرانہ مساعی سے بھرپور ہے۔ سلطان عبدالعزیز جنہیں عرف عام میں سلطان ابن سعود کہا جاتا ہے۔ اس خاندان کے نہایت شجاعت پیشہ رکن اور عظیم الشان روایات کے حامل تھے وہ امیر عبدالرحمان کے فرزند ارجمند تھے۔ سعودی خاندان کے تیسرے دور کا آغاز اسی سلطان عبدالعزیز سے ہوتا ہے اور اس کا دور تسلسل اللہ کے فضل سے جاری ہے۔ عبدالعزیز کی ولادت ۲۳ نومبر ۱۸۸۰ء کو دولت سعودیہ کے دارالحکومت ریاض میں ہوئی۔ جب ان کے والد امیر عبدالرحمان ۱۸۸۸ء میں نجد سے نکل کر شیخ کویت کے ہاں پناہ گزین کی حیثیت سے گئے۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ برس کی تھی۔

یہاں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ اس زمانے کی کویتی حکومت اور سعودی خاندان کے باہمی تعلقات خوشگوار نہ تھے لیکن ان کے درمیان نقطہ اتحاد یہ تھا کہ حجاز کی رشیدی اور شریفی حکومت کے یہ دونوں مخالف تھے۔ چنانچہ "دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے" کے اصول کے مطابق دونوں کے درمیان مصالحت ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ امیر عبدالرحمان نے کویتی حکومت کی مدد سے دو مرتبہ رشیدیوں پر حملہ کیا۔ یہ الگ بحث ہے کہ دونوں مرتبہ انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اب چند باتیں سلطان عبدالعزیز (ابن سعود) کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں۔ وہ بڑے ہوئے تو اپنے والد امیر عبدالرحمان کے پاس کویت چلے گئے اپنے خاندان کی گزشتہ تاریخ سے وہ پوری طرح آگاہ تھے اور اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے انتہائی بے تاب تھے۔ انہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں کس طرح کویت سے ریاض کا عزم کیا اور بالآخر اسے فتح کرنے اور اس پر اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح کامیاب ہونے اور بے پناہ اسلحہ کے زمانے میں اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ یہ سب اللہ کے بھروسے اور جذبہ صادق کی بناء پر ہوا جس کی مختصر روداد یہ ہے:

> شاہ فیصل نے اسلامی سربراہی کانفرنس ۱۹۷۴ء لاہور کے انعقاد میں حکومت پاکستان کا دل کھول کر تعاون کیا

۱۹۰۱ء میں جب کہ عبدالعزیز کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی وہ تین سو کے لگ بھگ مجاہدوں کے ساتھ خفیہ طور سے صحرا میں نکلا۔ ۱۱ جنوری ۱۹۰۲ء کو عیدالفطر کی نماز ریاض کے قریب ایک گاؤں "ابو جفان" میں پڑھی۔ اس وقت دو سو آدمی اس کے ساتھ تھے۔

عید سے دوسرے روز ۱۲ جنوری ۱۹۰۲ء (۲ شوال ۱۳۱۹ھ) کو اس نے اچانک ریاض کا قصد کیا۔ سورج غروب ہوا تو دو سو میں سے صرف چالیس آدمی ساتھ لئے' ایک سو ساٹھ افراد کو ایک جگہ ٹھہرایا اور تاکید کی کہ اگلے دن دوپہر تک ہماری طرف سے کوئی اطلاع نہ پہنچے تو سمجھ لینا کہ ہم اپنے وطن کو دوسروں کی غلامی کے چنگل سے نجات دلانے کی کوشش میں موت کا لقمہ بن گئے ہیں لہٰذا نہایت عجلت کے ساتھ کویت چلے جانا۔

رات کی تاریکی بڑھی تو یہ چالیس افراد ریاض کے قریب پہنچے۔ وہاں عبدالعزیز نے پچیس آدمیوں کو ایک جگہ روکا اور اپنے بھائی محمد بن عبدالرحمان کو ان کا امیر مقرر کیا۔ انہیں بھی یہی تاکید کی کہ اگر ہمارے متعلق کل کسی وقت تک کوئی خبر نہ ملے تو فورا کویت چلے جانا۔ اب عبدالعزیز نے صرف پندرہ آدمیوں کو اپنے ہمراہ لیا اور ان کے سمیت یہ کل سولہ آدمی مسافر کی ثبت سے ریاض میں داخل ہوئے۔ رات قلعے کے سامنے ایک بے آباد مکان میں گزاری۔ تمام افراد رات کو قہوہ پینے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد قلعے پر حملے کی تیاری کر لی۔ جیسے ہی قلعے کا دروازہ کھلا رشیدی حاکم باہر نکلا۔ عبدالعزیز نے اسے دیکھتے ہی اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ خود بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس پر جا گرا۔ حاکم مارا گیا اور عبدالعزیز اسی آن شہر پر قابض ہو گیا۔ یہ سلطان عبدالعزیز کا وہ جنگی کارنامہ تھا جو ہزاروں جنگجو فوجی بھی آسانی سے انجام نہیں دے سکتے تھے۔ اس نے صرف پندرہ آدمیوں کے ساتھ بہت بڑا انقلاب بپا کر دیا اور چند ثانیوں میں ایک مضبوط حکومت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا۔ عرب (بالخصوص نجد کے عرب) شجاعت و مردانگی میں بڑی شہرت رکھتے ہیں لیکن پندرہ آدمیوں کی رفاقت میں ریاض جیسے شہر کی تسخیر میں جو ایک مضبوط سلطنت کا دارالحکومت ہے۔ کامیاب ہو جانا خود ان کے نزدیک بھی انتہائی حیرت انگیز واقعہ اور نہایت تعجب خیز کارنامہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان عبدالعزیز کی زندگی جرات و شجاعت کے بے شمار واقعات کا حیران کن مرقع تھی۔ ان کی تگ و تاز کے تمام پہلوؤں میں بے

پناہ مجاہدانہ روح کارفرما تھی۔ عظمت و عزیمت کے جو نقوش انہوں نے اپنے پیچھے چھوڑے اور زمین عرب پر مرتسم کئے۔ وہ تاریخی حکمرانی کا ایک تابندہ اور درخشندہ باب بن گئے ہیں۔

ریاض کی فتح کے وقت جن پندرہ افراد کو عبدالعزیز اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں ان کے نام بھی مرقوم ہیں۔ اس مرد مجاہد نے کمال جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے ۱۹۲۴ء میں ریاض سے مکہ معظمہ کا عزم کیا۔ جس پر ایک ظالم حکمران شریف حسین قبضہ جمائے بیٹھا تھا۔ اسے اس بلدہ پاک سے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد ۱۹۲۵ء میں پورے حجاز کو فتح کر لیا۔ پھر ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اب مکمل طور پر حرمین شریفین کی خدمت کا اعزاز انہیں حاصل ہو گیا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں وہ نجد و حجاز کے فرمانروا قرار دیئے گئے اور انہیں بین الاقوامی حیثیت کا بہت بڑا حکمران مانا گیا۔ انہوں نے اپنے ان آبائی علاقوں کو فتح کرکے ان میں اسلامی طرز کی حکومت قائم کی۔ اس پورے خطے میں شریف حسین کے زمانے میں بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور حجاج کے قافلے رہزنوں کے ہاتھوں ہمیشہ خطرات میں گھرے اور لوٹ مار کا شکار رہتے تھے۔ لیکن سلطان عبدالعزیز نے نہایت اخلاص اور بے حد محنت کے ساتھ بہت تھوڑے عرصے میں اس قسم کی حکومت کی طرح ڈالی کہ لوٹ کھسوٹ اور بدامنی کا پوری مملکت میں قطعی طور سے خاتمہ ہو گیا۔ اب سعودی عرب کے کسی گوشے میں کوئی شخص کہیں بھلا جائے کسی نوع کے خطرے سے دوچار نہیں ہو گا۔

سلطان عبدالعزیز جہاں انتظامی صلاحیتوں سے پوری طرح بہرہ ور تھے۔ وہاں بہت بڑے عالم دین اور سیاست دان بھی تھے۔ سیاسیات عالم اور بین الاقوامی حالات پر وہ انتہائی گہری نظر رکھتے تھے اور مشکل سے مشکل مسائل نہایت آسانی سے حل کر دیتے تھے وہ عمر بھر اتحاد عرب کے لئے مساعی اور ان تمام ملکوں میں اسلامی اسلوب حکومت کے قیام کے لئے کوشاں رہے۔ اس مسئلے کو انہوں نے اپنی زندگی کا بنیادی نصب العین قرار دے لیا تھا۔ یہاں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ حجاز فتح کرنے کے بعد وہ اپنے والد محترم امیر عبدالرحمان کی خدمت میں کویت گئے۔ جہاں وہ اس وقت قیام پزیر تھے۔ ان سے نہایت ادب کے سات مسند اقتدار پر متمکن ہونے کے لئے عرض کیا لیکن انہوں نے یہ بہت بڑی ذمہ داری قبول کرنے اور زمام حکومت ہاتھ میں لینے سے انکار کر دیا اور سعادت مند بیٹے سے کہا کہ یہ علاقہ چونکہ ان کی حسن تدبیر اور بہترین جنگی حکمت عملی کی بناء پر فتح ہوا ہے اس لئے وہی اس پر حکومت کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ امور حکومت میں والد محترم سے مشورہ لیتے اور ان کے مشوروں کو نشان راہ قرار دیتے رہے۔ امیر عبدالرحمان نے ۱۹۲۸ء میں وفات پائی۔

> امیر عبدالعزیز کا قاتل شیعہ مسلک کا حامل عراقی تھا جو راہب کے بھیس میں آیا اور زہر میں بجھا ہوا خنجر گھونپ کر قاتل کی حیثیت سے لوٹا۔

سلطان عبدالعزیز ۲۳ نومبر ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ۲ شوال ۱۳۱۹ھ (۱۳ جنوری ۱۹۰۲ء) کو انہوں نے ریاض فتح کیا اور ۹ نومبر ۱۹۵۳ء کو وفات پائی۔ اس طرح انہوں نے شمسی حساب سے ۵۱ سال حکومت کی اور ۷۳ برس تیرہ دن عمر پائی۔

ان کے بعد ان کے بڑے بیٹے سعود کو امیر مقرر کیا گیا۔ وہ ۱۲ جنوری ۱۹۰۲ء کو اس رات کویت میں پیدا ہوئے جس رات ان کے والد سلطان عبدالعزیز نے پندرہ رفقاء کی معیت میں ریاض پر قبضہ کیا تھا۔ انہوں نے گیارہ سال حکمران رہنے کے بعد ۲ نومبر ۱۹۶۴ء کو تمام اختیارات اپنے چھوٹے بھائی فیصل کے سپرد کر دیئے تھے اور خود حکومت سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ مسند اقتدار پر فائز ہونے سے چند مہینے بعد وہ اپریل ۱۹۵۴ء کو پاکستان کے دورے پر آئے تھے۔

فیصل بن عبدالعزیز (جو سعود کی علیحدگی کے بعد حکمران ہوئے) ۱۹۰۶ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں انہیں ولی عہد سلطنت بنایا گیا۔ ۱۹۶۱ء میں نائب جلالتہ الملک کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ شاہ فیصل ایک ترقی یافتہ بادشاہ تھے۔ انہوں نے سعودی عرب میں بہت سی اصلاحات کا نفاذ کیا۔ وہ تمام اسلامی ممالک کے اتحاد کے حامی تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایران سمیت تمام اسلامی ملکوں کا دورہ کیا۔ وہ نہایت محتاط زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا زیادہ تر وقت دفتر میں یا مکان پر ملکی معاملات سے متعلق غور و فکر میں صرف ہوتا تھا اور امور سلطنت کے بارے میں تمام کاغذات وہ خود پڑھتے اور ضروری احکام خود اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ وہ جمہوریت کے حامی تھے اور دنیا کی سیاست کے نشیب و فراز پر عبور رکھتے تھے۔ وہ شاہانہ زندگی سے گریزاں تھے۔ سادگی پسند اور عوام سے میل جول رکھتے تھے۔ اجتماعی اور ملکی مسائل ان کا اصل موضوع تھے۔ عرب رواج کے برعکس انہوں نے ایک ہی شادی کی۔ خاص اسلامی فکر کے حامل تھے۔

ملک میں تعلیم عام کرنے کے وہ بے حد شائق تھے۔ چنانچہ انہوں نے بہت سی تعلیم گاہیں قائم کیں، متعدد یونیورسٹیاں ان کی کوشش سے معرض وجود میں آئیں۔ سعودی عرب سے باہر متعدد ملکوں میں بھی انہوں نے تعلیمی ادارے قائم کئے اور ان کی مالی مدد کی۔ ۱۹۷۴ء کو لاہور میں جو اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس کے انعقاد میں انہوں نے پاکستان کی حکومت

کے ساتھ بے حد تعاون کیا۔ غرض وہ بے شمار خوبیوں کے مالک اور بہت سے اوصاف کے حامل تھے۔

۲۵ اپریل ۱۹۷۵ء کو اپنے بھتیجے کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ تمام دنیا میں ان کی اس حادثاتی موت پر انتہائی افسوس کا اظہار کیا گیا۔ مسلمان ملکوں میں خاص طور پر ان کی وفات کو شدید حزن و الم کا باعث قرار دیا گیا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ جب تک زندہ رہے ایک جرات مند مجاہد کی طرح زندہ رہے اور جب موت آئی تو وہ ایک شہید کی موت تھی۔

ان کے بعد ان کے بھائی شاہ خالد سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ وہ بھی اپنے پیشرو کی طرح نہایت فہیم و عاقل اور صاحب عزم حکمران تھے۔ ان کے زمانے میں بھی سعودی مملکت نے بڑی ترقی کی اور بہت سی نئی اصلاحات اس میں جاری کی گئیں۔ بین الاقوامی تعلقات میں بھی استحکام پیدا ہوا اور اسلامی ملکوں سے بھی روابط میں اضافہ ہوا۔

ان کی وفات کے بعد شاہ فہد کا دور آیا۔ یہ دور بھی ہر اعتبار سے سعودی حکومت کے لئے ارتقاء کا ضامن ہے۔ وہاں کے عوام بھی اس عہد میں انتہائی خوش ہیں اور دوسرے ملکوں سے روابط و مراسم کی حدیں بھی بہت مستحکم ہیں۔ تمام معاملات نہایت حسن و خوبی سے سرانجام دیئے جا رہے ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ امیر محمد بن سعود نے جب وہ درعیہ کے منصب امارت پر فائز تھے' ۱۷۴۷ء میں علاقہ نجد کے مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ان دونوں کے درمیان رابطہ قائم ہوا تھا۔ اس وقت طے یہ پایا تھا کہ محمد بن عبدالوہاب اس علاقے میں دعوت و اصلاح کی خدمات سرانجام دیں گے اور محمد بن سعود احکام شرع کے مطابق حکومت کی ذمہ داریوں کو نبھائیں گے۔ اس باہمی گفتگو پر اڑھائی سو سال سے زیادہ عرصہ بیت چکا ہے اور اس طویل مدت میں نجد و حجاز کے وسیع خطوں میں بے شمار انقلابات رونما ہو چکے ہیں لیکن دونوں رہنماؤں کے درمیان جو فیصلہ طے پایا تھا اس پر اب بھی عمل ہو رہا ہے۔ سعودی خاندان کو وہاں کی زبان اور تاریخ میں "آل شیخ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دونوں خاندانوں کے تعلقات نہایت مستحکم چلے آ رہے ہیں کبھی کسی کو کسی سے شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ علوم دینیہ اور دعوت اسلامی کے معاملات آل شیخ کے سپرد ہیں۔ جس میں حکومت کوئی دخل نہیں دیتی اور ملکی سیاست اور حکمرانی کے فرائض کی انجام دہی کے ذمہ دار آل سعود ہیں۔ اس میں آل شیخ بالکل مداخلت نہیں کرتے۔

ہمارے نوجوان مصروف ہیں

ہمارے نوجوان کے پاس اتنا وقت کہاں ہے۔ ہر وقت مصروف رہتے ہیں۔ ٹی وی انہیں دیکھنا پڑتا ہے۔ وی سی آر ہے اور فلمیں اتنی زیادہ ہیں کہ ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ ویڈیو گیمز ہیں' کرکٹ ہے' ٹی وی پر میچ ہیں' تاش ہے' سڑکوں پر اور باغوں وغیرہ میں لڑکیاں گھومتی پھرتی ہیں۔ آج کے نوجوانوں کو ان پر بھی نظر رکھنا پڑتی ہے۔ لڑکیوں کے اسکولوں اور کالجوں کے سامنے چھٹی کے وقت منڈلانے کا فرض بھی نوجوانوں کے کندھوں پر ہے۔ فلمی گانے سننے کے لئے وقت چاہئے۔ پاپ اور ڈسکو میوزک بھی ان کے فرائض میں شامل ہو گیا ہے اور ان تمام مصروفیات میں سے چند منٹ پڑھائی کے لئے بھی نکالنے ہوتے ہیں۔ اب ان مصروف نوجوانوں سے تم اور کس بات کی توقع رکھتے ہو؟

(محمد ادریس شاہد)

خوشخبری

جہاں جامعہ سلفیہ نے ترجمان الحدیث کو ظاہر و باطن کی تبدیلی' وسعت صفحات کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے وہاں آپ کو درپیش مسائل کے حل کے لئے باب الفتاویٰ کا بھی اضافہ کیا جا رہا ہے۔ اگر آپ اپنے مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں چاہتے ہیں تو جامعہ سلفیہ سے رابطہ کریں اور فتویٰ ترجمان الحدیث میں ملاحظہ فرمائیں۔